نام کتاب	سورۂ فاتحہ اور تصورِ ہدایت
از افادات عالیہ	پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تاریخ اشاعت	۳۰ / اپریل ۱۹۸۸ء
تعداد	دو ہزار
قیمت	۴ / روپے

ناشر

شعبۂ نشر و اشاعت، ادارہ منہاج القرآن
بلاک ۲۷ / جی، فرخ پلازہ مرکز جی ٹاؤن
اسلام آباد

کتابت: محمد اسحاق خان، ۹/ ۱۲۸
جی ۹/۲، اسلام آباد

عرضِ ناشر

اللہ جل مجدہ الکریم کے فضل و احسان اور اس کے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نعلین پاک کے تصدق سے ادارہ منہاج القرآن اسلام آباد نے مفکرِ اسلام مفسرِ قرآن جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ، سرپرست اعلیٰ ادارہ منہاج القرآن کے مختلف دروس و خطبات کو عوام الناس کے استفادہ کیلئے سمعی کیسٹوں سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر کے بحذف مکررات تقریری انداز میں شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس سے انتہائی حوصلہ افزا نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔

پیشِ نظر کتابچہ بھی موصوف کی اپنی تحریر نہیں بلکہ آپ کے اُس اہم سلسلہ وار درسِ قرآن کی مربوط تحریری صورت ہے جو آپ نے ۲۷ دسمبر ۱۹۸۷ء کو چوہدری رحمت علی کمیونٹی سنٹر جی میون اسلام آباد میں فرمایا۔ قارئین کرام سے امید ہے کہ جہاں وہ ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی فرمائیں گے، وہاں خدمتِ دین اور اصلاحِ احوال کی ان ٹوٹی پھوٹی کوششوں کو بہتر بنانے کے لیے ہمیں اپنی قیمتی آرا سے بھی نوازیں گے۔

سابقہ درسِ قرآن نمبر ۲۶ مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۶ء جو کہ ماہ میلادِ رسول ﷺ کی مناسبت سے میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت پر ہوا تھا شائع نہیں کیا گیا کیونکہ اس موضوع پر ایک جامع کتاب مرکزی ادارہ سے شائع ہو چکی ہے لہٰذا آپ اس سے استفادہ فرما سکتے ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ناظم نشر و اشاعت: ادارہ منہاج القرآن، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی سیدنا ومولٰنا محمد رسولہ النبی الامین
المکین الحنین الکریم الرؤف الرحیم ۰ امابعد فاعوذ باللہ من الشیطن
الرجیم ۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۰ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ اَلرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ ۙ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ؕ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ؕ
اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۙ غَیْرِ
الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ؏ صدق اللہ مولٰنا العظیم ۰

محترم مشائخ وعلماءِ کرام، مکرم رفقاء واراکین، معزز خواتین وحضرات اور عزیزان گرامی قدر!
اللہ رب العزت کا فضل وکرم اور احسان وانعام ہے کہ ہم آج اس کی توفیق سے خالصتاً اس کی
رضا کیلئے اس کی مقدس کتاب قرآن مجید کے درس کی مبارک مجلس میں حاضر ہیں بحمد اللہ تعالیٰ
ہمارے آج کے درس قرآن کا موضوع ہے" سورۃ فاتحہ اور تصور ہدایت"۔ پچھلے دو
درس قرآن کی نشستوں میں اس سلسلہ وار موضوع کے تحت ہماری گفتگو بالترتیب
"سورۃ فاتحہ اور تصورِ عبادت" اور "سورۃ فاتحہ اور تصورِ استعانت" پر ہو چکی ہے، آج ہم
اللہ جل مجدہٗ کی توفیق اور عنایت سے سورۃ فاتحہ کی روشنی میں تصورِ ہدایت کو سمجھنے کی کوشش کریں گے
پہلی قرآنی دعا طلبِ ہدایت ؛ اللہ تبارک تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے بندے اجب تو دنیا سے بے نیاز ہو کر تمام مشاغل
حیات مختلف دلچسپیوں، رغبتوں اور توجہات سے صرف نظر کر کے یکسوئی کے ساتھ سراپا نیاز اور
سراپا بندگی بن کر میری بارگاہ میں دست بستہ کھڑا ہو جائے، اور میری حمد وثنا کرلے، اپنی
عبدیت اور میری معبودیت کو بیان کرلے اور اپنی مستعینیت اور میری مستعانیت کا ذکر کرلے یعنی

اپنے محتاج ہونے اور میرے بے نیاز اور حاجت پوری کرنے والا ہونے کا بیان کرنے تو پھر اپنا دامن طلب میری بارگاہ میں دراز کر اور کہہ اھدنا الصراط المستقیم ٥ باری تعالیٰ ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ قرآن مجید کی اس آیت میں دُعا کی تلقین کی جارہی ہے۔ سورۃ فاتحہ قرآن مجید کا پہلا باب ہے اور اس پہلے باب میں سب سے پہلی دعا جو قرآن مجید نے ہمیں سکھائی اس کے کلمات یہ ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ٥ اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ دِکھا دے۔ ہمیں صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا کر۔ اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوگئی کہ سب کچھ اللہ جل مجدہٗ سے مانگنا چاہیئے اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت ایک عظیم نعمت ہے مگر سب سوالوں سے بڑا سوال یہی ہے کہ اس سے ہدایت طلب کی جائے اور اللہ کی سب نعمتوں سے بڑی نعمت یہی ہے کہ وہ استقامت والی ہدایت عطا کردے چنانچہ سب سے پہلی دعا قرآن مجید میں یہی سکھائی جارہی ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ اے اللہ! ہمیں صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا کر یعنی سیدھی راہ دکھا دے۔

<u>مقصدِ ہدایت</u>: یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ بندہ عرض کر رہا ہے، باری تعالیٰ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا دے اور راستے کی فی نفسہٖ کوئی اہمیت نہیں ہوتی جب تک کوئی منزل پیشِ نظر نہ ہو۔ کوئی ڈیسٹی نیشن (DESTINATION) کوئی مقصود، کوئی نصب العین سامنے نہ ہو۔ آپ اپنی عام زندگی میں، روزمرہ کے معمولات میں دیکھیں یہ سب سڑکیں راستے ہی ہیں مگر جس سڑک کے آخر کوئی شہر نہ ہو اور اس کا کوئی اخیر (END) نہ ہو تو کبھی کوئی اس راستے پہ بھی چلتا ہے؟ راستے تو سارے ہی ہیں مگر گویا راستے کی اہمیت منزل کے حوالے سے متعین ہوتی ہے۔

جب یہ بات واضح ہے کہ راستے کی بجائے خود کوئی اہمیت نہیں جب تک کوئی منزل سامنے نہ ہو تو پتہ یہ چلا کہ اصل مقصود راستہ نہیں بلکہ منزل ہے لیکن یہاں تو یہی بیان کیا گیا کہ اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا دے اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلا سوال یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ سیدھا راستہ دکھا دے جب تک منزل متعین نہ

ہو۔ گویا راستہ پوچھنے کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب انسان منزل سے آشنا ہو جائے اسے مقصودِ سفر کا شعور حاصل ہو جائے وہ اپنے نصب العین کو جان لے اور فقط منزل کو جاننا ہی کافی نہیں بلکہ پھر اس منزل کو پانے کی دل میں آرزو پیدا ہو جائے اس مقصود تک پہنچنے کی تمنا بیدار ہو جائے یہ بھی ہدایت کا ایک درجہ ہے اور انسان جب اس منزلِ مقصود کی نسبت سنجیدگی سے سوچنے لگے کہ میں نے اس منزل تک پہنچنا ہے تو اس فیصلے کے بعد اسے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس منزل تک پہنچانے والا راستہ کونسا ہے؟ پھر وہ التجا کرتا ہے کہ باری تعالیٰ! مجھے راستہ بتا دے۔

تو یہ بات واضح ہو گئی کہ ہدایت کے باب میں انسان کی پہلی ضرورت اور طلب منزل کو جاننا ہے اور دوسری ضرورت راستے کو جاننا اور اگر راستہ بتا بھی دیا جائے تو کیا ہر ایسے شخص کے لیے جو خواہ صحیح راستے پر جا رہا ہو ضمانت ہے کہ وہ عافیت کے ساتھ منزل تک پہنچ جائے گا، نہیں، ممکن ہے راستے میں کوئی راہزن لوٹ لے یا کوئی اور بہکانے والا مل جائے اور صحیح راستے سے ہٹا دے۔ چنانچہ نہ تو ہدایت کا مقصد فقط منزل کے معلوم ہو جانے سے پورا ہو جاتا ہے نہ فقط راستہ بتا دینے سے بلکہ ہدایت کا مقصد تب پورا ہوتا ہے جب مسافر منزل تک عافیت کے ساتھ پہنچ جائے، اپنے مقصود کو پا لے، راستے کے سارے خطرات سے گزر کر امن و سلامتی اور عافیت کے ساتھ اپنی منزل کو پا لے تو پھر پتہ چلے گا کہ اس کی ہدایت اس کے کام آئی۔

درجاتِ ہدایت: آیۂ کریمہ کے اس تجزیے سے معلوم یہ ہوا کہ ہدایت کے تین درجے ہونے چاہئیں جنہیں آپ چاہیں تو مدارج ثلاثہ کہہ لیں جبکہ پہلے علماء مناطقہ اور متکلمین نے ہدایت کے دو درجے بیان کئے ہیں، ایک کو ارائۃ الطریق کہتے ہیں اور دوسرے کو ایصال الی المطلوب، ارائۃ الطریق کا مطلب ہے راستہ دکھانا اور ایصال الی المطلوب، منزل تک پہنچانا وہ ہدایت ناقصہ ہے یہ ہدایت کاملہ ہے وہ ہدایت عامہ ہے یہ ہدایت خاصہ ہے لیکن اگر آپ اس عاجز کی تصانیف "سورۃ فاتحہ اور تعمیر شخصیت"

اور "اسلامی فلسفۂ زندگی" کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ میں نے ان مدارج میں ایک تیسرے درجے کا اضافہ کیا ہے اور سورۃ فاتحہ کی اس آیت کریمہ سے ہدایت کے تین مدارج معلوم ہوتے ہیں، یا تین درجات معلوم ہوتے ہیں پہلے کا نام میں نے رکھا ہے عرفان الغایۃ، دوسرے کا ارائۃ الطریق اور تیسرے کا ایصال الی المطلوب۔

منزل کا تعین: جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہدایت اگر راستہ بتا دینے سے شروع ہو تو یہ بالکل ادھوری بات ہے، راستہ کس کا؟ صاف ظاہر ہے منزل مقصود کا، تو جب تک کسی شخص کو منزل کی خبر نہ ہو وہ راستہ کیا پوچھے گا؟ تو راستہ بتانے سے پہلے راستہ پوچھنے والا ہونا چاہیئے اور راستہ پوچھنے سے پہلے منزل کی خبر ہونی چاہیئے مثلاً اگر آپ کسی راستے پر کھڑے ہوں اور کوئی کار والا وہاں سے گزرتے ہوئے کار روک کر آپ سے پوچھے کہ مجھے راستہ بتا دیجیئے تو آپ فوراً اس سے پوچھیں گے بھئی کہاں کا راستہ؟ اگر وہ کہے نہیں بھئی صرف راستہ بتا دیں تو آپ کہیں گے کہ راستے تو سارے یہیں جس پر آپ جا رہے ہیں یہ بھی ایک راستہ ہے آپ بتائیں کہ کہاں کا راستہ معلوم کرنا چاہتے ہیں؟ تو پہلے منزل کا تعین ہونا چاہیئے، غایت سفر یعنی اپنے مقصود کی خبر ہونی چاہیئے تو مقصود اور منزل کی خبر اور اس کا تعین اور معرفت ہدایت کا پہلا درجہ ہے چنانچہ ہدایت کا پہلا درجہ یہ ہے کہ نصب العین معلوم ہو جب ہم نے منزل جانے بغیر راستوں پر سفر شروع کر دیئے تو حاصل وہی ہوگا جو ہمارا حال ہے۔ ہم پاکستان کے قیام کے بعد چالیس سال سے صرف راستوں پر سفر کر رہے ہیں منزل ہمارے سامنے نہیں ہے اور جب منزل ہی معلوم نہ ہو تو پھر سچے راہبر کی بھی خبر نہیں ہوتی۔ بقول غالب

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

جو بھی چلتا ہوا نظر آتا ہے تھوڑی دیر کے لیئے اس کے ساتھ چلنا شروع کر دیتا ہوں آگے چل کر پتہ چلتا ہے کہ راہبر نہیں یہ تو راہزن تھا۔

اس امت کے ساتھ یہ کچھ ہو رہا ہے الا ما شاء اللہ جب سب کچھ لٹ جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ راہبر تو نہ تھا زندگیاں کٹ گئیں مگر ہاتھ کچھ نہ آیا اور پھر وہ راہبر جس نے آپ کو راستے پر چلنے کی دعوت دی تھی ، تھوڑی دیر کے بعد خود اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے راستے پر نظر آیا تب پتہ چلا کہ یہ راہبر تو نہ تھا ۔

دوستو! جو لوگ منزل کو جانے بغیر راستوں پر چلتے ہیں اور رہبروں کے پیچھے چلتے ہیں وہ لوٹے جاتے ہیں اس لیے وہ سفر رائیگاں جاتا ہے جس کے شروع کرنے سے پہلے منزل کو متعین نہ کر لیا گیا ہو ہم سب مسافر ہیں راستوں پر چل رہے ہیں ۔ منزل تو متعین تھی اور متعین ہے مگر ہم نے خود اُسے بھلا دیا اور ہمارے راہبروں کا مفاد اسی میں ہے الا ما شاء اللہ اگر منزل متعین ہو جائے اور پھر قافلے منزل کی طرف چلیں اور چل چل کے بھی منزل نہ ملے تو مسافر راہبروں کا گریبان پکڑ لیتے ہیں کہ اتنی مدت بیت گئی سفر کرتے کرتے ابھی منزل نہیں آئی کہاں لے کر چل رہے ہو ؟ تو راہبروں کا مفاد اسی میں ہے کہ منزلیں اوجھل رہیں اور راستے طویل تاکہ زندگیاں اسی میں کھپتی چلی جائیں اور جب کوئی پوچھے تو اُسے یہ کہہ کر سلا دیا جائے کہ کوئی بات نہیں آخرت میں ثواب مل جائے گا جنت مل جائے گی ، بے شک آخرت کا اجر و ثواب اللہ کریم کے ہاں حق ہے مگر وہ مسافر تو اس دنیا میں منزل کو پانے کے لیے چلا تھا ۔ تو ضرورت اس امر کی ہے کہ ہدایت کا آغاز منزل کی معرفت اور تعین سے ہو پھر راستہ پوچھا جائے ۔

دوسرا درجہ ارائۃ الطریق ہے یعنی راستہ بتا دینا چونکہ راستہ بتانے سے بھی منزل تک پہنچنے کا یقین نہیں ہوتا لہٰذا ہدایت کا تیسرا درجہ ہے ایصال الی المطلوب ، ہاتھ پکڑ کر منزل تک پہنچا دینا ۔

درجاتِ ہدایت اور پہلی دعا :

ہدایت کے یہ تین درجے ہیں اور آپ غور کریں تو اھدنا الصراط المستقیم کے بھی تین الفاظ ہیں اور ہر لفظ ہدایت کے ایک درجے کی نشاندہی کرتا ہے ۔ پہلا لفظ ہے اھدنا دوسرا الصراط اور تیسرا المستقیم ۔ اھدنا میں عرفان الخالق

جب ... الصراط المستقیم میں ایصال الی المطلوب ہے۔ آپ اندازہ کریں کہ اللہ جل مجدہٗ نے کتنی جامع دعا عطا کر دی جب آپ نے یہ کہا اھدنا الصراط المستقیم تو آپ کو خبر ہی نہیں کہ آپ نے کیا کچھ مانگ لیا اور یہ بھی ہماری شومئی قسمت ہے کہ ہمیں مانگنا بھی نہیں آتا اور کچھ مانگتے ہیں تو اس کی بھی خبر نہیں کہ کیا مانگ رہے ہیں!؟

ہم نے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کا ورد بڑی کثرت کے ساتھ کیا مگر یہ خبر نہیں کہ ہم کیا مانگ رہے ہیں ! ہم نے یہ کہہ کر اللہ جل مجدہٗ سے سب کچھ مانگ لیا اتنا مانگ لیا کہ باقی کچھ رہا ہی نہیں ۔ تین الفاظ پر مشتمل آیت کے ذریعے سب کچھ مانگ لیا اور یہ دعا اللہ جل مجدہٗ نے خود تلقین فرمائی اگر کوئی انسان تلقین کرتا تو تین لفظوں میں اتنی جامعیت کبھی پیدا نہ ہو سکتی یہ اللہ کا کلام ہے اس کا ہر ہر لفظ ایک پورا باب ہے۔

عرفان الفاتحہ: اِھْدِنَا کی پکار کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ سے شعوری ہدایت طلب کرتا ہے عرض کرتا ہے باری تعالیٰ ! ہمیں ہدایت دے اب اھدنا اپنے بیان میں مکمل ہے اس کا معنی ہے باری تعالیٰ ! ہمیں ہدایت دے ۔ کیا ہدایت ؟ میرے مولا ! میں زندہ ہوں مگر مجھ کو خبر نہیں کہ میں کیوں زندہ ہوں ؟ مجھے یہ بتا دے میں جی رہا ہوں مگر خبر نہیں کہ میرے جینے کا مقصد کیا ہے ؟ میں محنت کر رہا ہوں ، مشقت کر رہا ہوں ، مصائب و آلام سے گزر رہا ہوں تکلیفیں اٹھا رہا ہوں لیکن مجھے خبر نہیں کہ میں یہ سب کچھ کیوں کر رہا ہوں ؟ اور کس کیلئے کر رہا ہوں ؟ اے اللہ ! مجھے میرے پیدا ہونے کا مقصد بتا دے مجھے جینے کا مقصد بتا دے مجھے میرے مرنے کا مقصد بتا دے میں جس کی خاطر مصیبتیں ، تکلیفیں ، آلام سب کچھ برداشت کر رہا ہوں مجھے وہ مقصود بتا دے اور یہ جو میرا سفرِ زندگی جاری ہے بتا دے کہ یہ کس سمت جاری ہے میں جا کدھر رہا ہوں میں غلط جا رہا ہوں یا درست جا رہا ہوں ، میری منزل کیا ہے ؟ اب بتائیے کہ اس پہلی ہدایت کی ہر شخص کو ضرورت ہے یا نہیں ؟ ۔

اللہ پاک قرآن مجید میں فرماتے ہیں وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ؀[1] ہم نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر صرف اس لیے کہ میری بندگی اپنائیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا معنیٰ یوں کرتے ہیں کہ میری معرفت حاصل کریں یعنی میں نے تمہیں اس لیے پیدا کیا ہے کہ تمہیں میری خبر ہو جائے تم مجھے پہچان لو تو اِھْدِنَا کے ذریعے سب سے پہلے انسان کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے یہ آواز اٹھ رہی ہے کہ میرے اللہ مجھے میری منزل کی خبر دے دے میرا شعور، شعور ہو کر بھی گمراہی کا گڑھا ہے ظلمت کدہ ہے اس میں روشنی نہیں ہے نصب العین کی خبر نہیں ، مجھے منزلِ مقصود کا تعین حاصل نہیں ہے باری تعالیٰ ! مجھے بتا دے کہ میرے جینے مرنے کا مقصد میرا نصب العین میری منزل (DESTINATION) میرا انجام سفر کیا ہے ؟

ارائۃ الطریق : جواب آتا ہے کہ میرے بندے! اگر تو نے صدقِ دل سے مجھ سے اپنے جینے کا مقصد پوچھ لیا ہے تو ہم تمہیں بتا دیتے ہیں تیرے جینے اور مرنے کا مقصد یہ ہے جب اللہ جل مجدہٗ اس کے مقصودِ حیات اس کے نصب العین اس کی منزل سفر کی خبر دے دیتا ہے تو اب دوسری پکار اٹھتی ہے کہ اے اللہ ! مجھے تو نے منزل تو بتا دی میرے سفر کا انجام تو بتا دیا اب ایک مدد اور فرما یہ بھی بتا دے کہ اس منزل کی طرف راستہ کونسا جاتا ہے یہاں تو زندگی میں بہت سے راستے ہیں ہر کوئی کسی نہ کسی راستے کی بات کر رہا ہے اور اس کی دعوت دے رہا ہے۔ بہت سے لوگ راستہ بتانے والے ہیں ، اب یہ بھی بتا دے کہ میں کس راستے پر چلوں تو منزل مل جائے گی ؟ فرمایا میرے بندے ! اب اگر راستہ بھی معلوم کرنا ہے تو دعا کرتے ہوئے ایک لفظ اور بول اب کہہ ، الصراط ۔ مجھے راستہ بتا دے

[1] : سورۃ الذاریات آیت نمبر ۵۶

چنانچہ راستہ بھی بتا دیا کہ اس منزل کو پانے کا یہ راستہ ہے ۔

ایصال الی المطلوب: جب اللہ جل مجدہٗ نے راستے کی ہدایت بھی عطا کر دی تو پھر تیسرا سوال پیدا ہوا اور انسان التجا کرنے لگا کہ باری تعالیٰ ! تو نے راستہ بھی بتا دیا لیکن سُنا ہے کہ اس راستے پر بڑے راہزن ہیں، لٹیرے ہیں وہ صحیح راستے سے بہکا دیتے ہیں لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ [لہ] شیطان نے قسم کھا رکھی ہے کہ باری تعالیٰ ! میں ان لوگوں کے راستوں میں کیمپ لگا کر بیٹھوں گا جو سیدھی راہ پہ چلنے والے ہیں ۔ تاکہ انہیں اس راستے سے ہٹا دوں ۔ جو راستے غلط ہیں ان پر جا کر نہیں بیٹھوں گا اس لیے کہ ان پر چلنے والے تو پہلے ہی میرے دوست ہیں وہ تو پہلے ہی میرے مقصد کو پورا کر رہے ہیں تو ان لوگوں کے راستے میں جو سیدھی راہ پر چل رہے ہیں خیمے لگا کر بیٹھوں گا ۔ کیونکہ مقصود تو ان کو بہکانا ہے اور اس راہ پر چلنے والے مسافروں کو چونکہ قدم قدم پر رہنمائی کی ضرورت تو پڑے گی تو جونہی وہ قریب سے گزرے گا میں اسے کہوں گا کہ بھئی صحیح جا رہے ہو بس آگے جا کر تھوڑا بائیں ہو لینا ۔ بس اس طرح سے سیدھے راستے پہ چلنے والے کو اس راستے سے ہٹا دوں گا ۔

تو بندہ عرض کرتا ہے باری تعالیٰ ! میں نے سُن رکھا ہے کہ شیطان نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ سیدھے راستے پہ چلنے والوں کو گمراہ کر دوں گا تو تو نے مجھے سیدھا راستہ تو بتا دیا اب سلامتی کے ساتھ منزل تک پہنچ جانے کی ضمانت بھی فراہم کر دے تاکہ کسی لٹیرے کے ہاتھوں لٹ نہ جاؤں مجھے خیر و عافیت اور سلامتی سے اپنی منزل تک پہنچ جانے کی ضمانت مل جائے فرمایا اگر یہ تیسری ہدایت بھی چاہتا ہے تو اب ایک سوال اور کر اور کہہ المستقیم ۔ اے اللہ، سیدھی راہ، استقامت والی راہ دکھا دے جو مجھے منزل تک پہنچا دے ۔

لہ : سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۶ ۔

صراطِ مستقیم کی پہچان: اللہ تعالیٰ نے تین الفاظ پر مشتمل یہ دعا عطا کی اور اب فرمایا ! صراط الذین انعمت علیہم ۲ راستہ ان لوگوں کا جن پر تیرا انعام ہوا۔ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن پر اس نے خاص انعام کیا ہے اور وہ خاص انعام یافتگان چار قسم کے لوگ ہیں انبیاء، صدیقین، شہدا اور صلحاء۔ تو پہلا طبقہ انبیاء کا ہے اور باقی تینوں طبقے اولیاء کے ہیں تو فرمایا کہ اے میرے بندے! میں نے اس دنیا میں انبیاء بھی بھیجے ہیں اور انبیاء کی پیروی کرنے والے صدیقین، شہدا اور صالحین بھی بھیجے ہیں اگر تو خیر و سلامتی کے ساتھ منزل کو پالینے کی ضمانت چاہتا ہے تو ایسا کر کہ میرے ان انعام یافتہ بندوں کے پیچھے پیچھے آنکھیں بند کر کے چلتا جا، جہاں جا کے یہ رک جائیں وہیں تیری منزل ہوگی اگر ان کے ساتھ ہولیا تو ہر راہزن سے بچ جائے گا اور اگر تو نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تو ہر راہزن کے ہاتھوں لوٹا جائے گا فرمایا صراط الذین انعمت علیہم ۵ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ۵ سیدھا راستہ ان بندوں کا ہے جن پر تو نے انعام کیا اور ان پر نہ کبھی تیرا غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔ یہ ایک معنٰی ہے اور دوسرا معنٰی یہ ہے کہ سیدھا راستہ ان بندوں کا ہے جن پر تیرا انعام ہوا نہ کہ ان بندوں کا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ہی ان لوگوں کا جو بھٹک گئے، تو اللہ جل مجدہٗ نے سیدھے راستے کی وہ پہچان عطا کر دی جس نے منزلِ مقصود تک پہنچنے کی ضمانت فراہم کر دی۔ آپ سمجھ گئے کہ سورۃ فاتحہ میں ہدایت کا تصور تین اجزاء پر مشتمل ہے۔

منزل اور راہِ منزل: اب ایک اور پہلو توجہ طلب ہے آپ نے دیکھا کہ ہدایت کے باب میں سب سے پہلی ضرورت منزل جاننے اور مقصد کو معلوم کرنے کی ہے اور آخری منزل کو پا لینے کی، راستہ معلوم کرنا یہ درمیان کی ضرورت ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ جو پہلی ضرورت ہے بیان میں زیادہ تر غلبہ اسی کے ذکر کا ہونا چاہیے مگر پہلی ضرورت کے بیان کو اتنا نمایاں نہیں کیا بلکہ فرمایا!

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں [illegible] ، دوسری ضرورت کے بیان کو زیادہ غالب کر دیا اور پہلی ضرورت کے بیان کو مخفی رکھا اس کی وجہ اور حکمت کیا ہے ؟

اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فقط یہ پوچھے کہ صحیح منزل کونسی ہے ؟ فقط منزل کی بات کرے ، مقصد اور نصب العین کی بات پوچھے اور اس سے آگے کوئی بات نہ کرے تو اس سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص دریافت یہ کر رہا ہے کہ منزل مقصود کیا ہے ۔ نصب العین کیا ہے ؟ مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ منزل کو پانے کے معاملے میں سنجیدہ بھی ہے یا یونہی تفننِ طبع کے طور پر پوچھ رہا ہے ۔ کیونکہ منزل کو جاننے والے بے شمار ہوتے ہیں مگر اس کو پانے کی طلب رکھنے والے کم ہوتے ہیں ، ہم اگر اپنی قوم اور اپنے حال کا جائزہ لیں تو ہم میں سے شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہو جس کو یہ پتہ نہ ہو کہ پاکستانی قوم کی منزل کیا ہے منزل حکمرانوں کو بھی معلوم ہے ، محکوموں کو بھی معلوم ہے ، منزل رہبروں کو بھی معلوم ہے ، رہزنوں کو بھی معلوم ہے اور منزل مسافروں کو بھی معلوم ہے ۔ معلوم ہر کسی کو ہے مگر منزل پانے میں سنجیدہ کوئی کوئی ہوتا ہے ۔ منزل کا علم ہر ایک کو ہوتا ہے مگر پانے کی تڑپ کسی کسی میں ۔ اس لیے اگر کسی نے پوچھا کہ منزل کونسی ہے ؟ تو اس سے اس کی سنجیدگی اور تڑپ کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا اللہ پاک نے فرمایا کہ خالی منزل جان لینا کمال نہیں کمال یہ ہے کہ منزل پانے کے لیے سنجیدہ ہو جاؤ اور تمہارا چین و آرام ، راحت لٹ جائے اس لیے کہ سنجیدگی تب آئے گی جب منزل جان کر یہ پوچھتے پھرو کہ میں منزل تک جانا چاہتا ہوں بتادو راستہ کونسا ہے ! راستہ پوچھنے والے یقیناً مسافر ہوا کرتے ہیں منزل گھر بیٹھے ہوئے لوگ بھی پوچھ لیتے ہیں ، مگر راستہ پوچھنے کے لیے گھر سے نکل کر راستے پر چلنا پڑتا ہے راستے کے لیے مسافر ہونا پڑتا ہے ۔

جب یہ [illegible] اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ [illegible] ہمیں [illegible] بتائیے

تو اس راستہ پوچھنے کے بیان پر زور دینا ہمارے گریباں کو جھنجھوڑنے کے مترادف ہے کہ بندے! اگر تونے منزل کو پانا ہے تو آرام سے گھر نہ بیٹھا رہ گھر کو چھوڑ مسافر بن جا باہر نکل آ - گھر بیٹھ کر منزل کی بات ہر کوئی کر لیتا ہے - آپ دیکھیں قہوہ خانوں میں جائیں وہاں پر بھی تصوراتِ اخلاق پر گفتگو ہوتی ہے بار میں چلے جائیں وہاں پر بھی بڑی بڑی باتیں ہوتی ہیں، منزل، مقصود، آئیڈیل PURPOSE، DESTINATION، OBJECTIVE ان ساری چیزوں پر بڑی بحثیں ہوتی ہیں جس مجلس میں چاہیں چلے جائیں منزل کی بات بہت ہوتی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ منزل کو پانے کے لیے راستے پر چل کر مشقتیں کون اٹھا رہا ہے - یہاں اکثر بڑوں بڑوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں -

اللہ پاک نے فرمایا کہ خالی منزل پوچھنے میں کچھ حاصل نہیں اس منزل کو پانے کے لیے مسافر بنو گھر سے نکلو اور پوچھو کہ راستہ کونسا ہے؟ تو جو راستہ پوچھتا ہے وہ یقیناً منزل کو پانے کے بارے میں سنجیدہ ہوتا ہے اور راستہ پوچھنے والا جب سنجیدہ ہو تو جان لو کہ وہ پہلے منزل کو جان چکا ہے تو الصراط پر زور اس لیے دیا کہ اس کے اندر پہلا درجہ بھی ہے اور آخری درجہ بھی یعنی جو راستہ پوچھ رہا ہے اس میں منزل تک پہنچنے کی تڑپ بھی ہے اور منزل کو پانے کی خبر بھی۔

ایک توجہ طلب نکتہ:

یہاں ایک اور بات بڑی سمجھنے کے لائق ہے وہ یہ کہ راستہ پوچھنے کے سوال پر زور کیوں دیا! اس کے اندر ایک دوسری بڑی حکمت یہ ہے کہ اس سے اسلام کا تصور واضح ہو جائے - پہلا سوال تھا کہ منزل کیا ہے! دوسرا سوال یہ ہے کہ منزل پائی کس طرح جائے ان دونوں میں بڑا فرق ہے، پہلا سوال حقیقت کو محض جاننے کی حد تک تھا مگر قرآن کی جو بات ہے وہ فقط جاننے سے نہیں حقیقت کو پانے

[illegible]
کو واقعہ بنا دینے سے متعلق ہے ۔ پہلے سوال کا موضوع فقط علم تھا یعنی جاننا تھا
اب اس دوسرے سوال کا موضوع عمل یعنی کرنا ہے اور اسلام اس ذریعے سے یہ
حقیقت واضح کرنا چاہتا ہے کہ لوگو ! اسلام فقط علم کا نام نہیں عمل کا نام ہے
اسلام فقط جاننے کا نام نہیں اسلام کرکے دکھانے کا نام ہے اسلام فقط فکر
کا نام نہیں عزم و ارادے کا نام ہے ، اسلام فقط تبلیغ کا نام نہیں تعمیل کا نام
ہے اسلام فقط توجیہہ کا نام نہیں تخلیق کا نام ہے اور اسلام فقط مقصود
حیات کو جاننے کا نام نہیں بلکہ مقصود حیات کو پانے کا نام ہے اگر محض جان لیا تو فلسفہ بن گیا

فلسفہ اور قرآن ۔ مگر قرآن تمہیں فلسفے کے گورکھ دھندوں میں الجھا دینے کے لیے
نہیں آیا یہ فلسفے کی کتاب تو نہ تھی ، یہ تو خدا کی کتاب ہے ۔

یونان کے زمانے سے لے کر آج کے دور تک فلسفے میں جتنی بحث ہوئی
فقط اس پر ہوئی کہ حقیقت کیا ہے ؟ فلسفے کی تاریخ میں کبھی حقیقت کا دور آیا
کبھی عقلیت کا دور آیا کبھی تشکیک کا دور آیا اور کبھی قنوطیت کا دور آیا اور چل
چل کے فلسفہ حقیقت کو جان نہ سکا اور اپنے عجز ، قصور اور ناکامی کا اعتراف
کرکے لا ادریت کے مقام پر آکے رک گیا آج فلسفہ پکار رہا ہے لا ادری
کہ میں نہیں جانتا ، تو فلسفے کی کتابیں فقط اس سے بحث کرتی تھیں کہ حقیقت کیا
ہے مگر قرآن فقط اس سے بحث نہیں کرتا قرآن اس سے اگلے سوال سے
بحث کرتا ہے کہ حقیقت یہ ہے اور اس کو پانے کا طریقہ یہ ہے فلسفہ
فقط علم سے بحث کرتا رہا قرآن عمل سے بحث کرتا ہے ۔

دعوت و تبلیغ دین اور ہماری حالت : ہم نے جب سے قرآن اور سورۃ فاتحہ کے دیئے ہوئے اس تصور ہدایت
سے چہرہ پھیر لیا اس وقت سے ہمارا پورا زور تبلیغ پر لگ گیا اور تعمیر جاتی رہی
ہم فقط بتانے والے بن گئے کرنے والے نہ رہے ، ہماری ذمہ داری یہ بن

گئی کہ لوگوں کو فقط سچ بتائیں مگر سچ بولیں نہیں ، ہماری ذمہ داری یہ بن گئی کہ لوگوں کو نماز کی فقط ترغیب دیں مگر نماز کو من میں اتاریں نہیں اور ہماری ذمہ داری فقط یہ بن گئی کہ لوگوں کو دین وایمان اور عمل صالح کی بات کریں مگر عمل صالح سے اپنی سیرت وکردار کو سنواریں نہیں جب تصور ہدایت کاملاً سامنے نہ رہا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عمل میں تضاد پیدا ہوگیا ، خلوتیں کچھ اور کہنے لگیں جلوتیں کچھ اور بولنے لگیں رات کی تاریکیوں میں کچھ اور ہونے لگا دن کے اجالوں میں کچھ اور ہونے لگا ، منبروں اور سٹیجوں پر کچھ اور باتیں ہونے لگیں اور تنہائیوں میں کردار کچھ اور نظر آنے لگے ظاہر میں کچھ اور دکھائی دینے لگا باطن میں کچھ اور نظر آنے لگا ۔

دوستو ! دراصل یہ قرآن کے اس تصور ہدایت سے منہ پھیر لینے کا نتیجہ تھا کہ ہمارے جیسے لوگ دین کی تبلیغ کے لیے اُتر آئے تو نوجوانوں کو یہ باتیں بڑی میٹھی اور پرکشش لگیں وہ قریب آئے اس خیال سے کہ یہی کچھ اندر بھی ہوگا مگر جب کردار کا پردہ اٹھا اور حجاب مرتفع ہوا اور ان کو جھانکنے کا موقع ملا تو بات بڑی پُرکشش تھی اندر بڑا گھناؤنا تھا اس تضاد کو دیکھ کر نوجوان نسل بھٹک گئی اور یہ لوگ فقط مبلغ سے ہی نہیں بلکہ تبلیغ سے بھی متنفر ہوگئے وہ فقط مُبلغ کی باتوں سے ہی بیزار نہ ہوتے بلکہ مسجد سے بھی بیزار ہوگئے ۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آج جمعوں کے اجتماعات میں جب دوسری اذان ہوتی ہے اور امام خطبے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ جلدی سے وضو کرکے مسجد میں آجاتے ہیں اور جو گھنٹہ پہلے گزرتا ہے اس کے سُننے کی تڑپ کسی کے اندر باقی نہیں رہی ہم شکوہ تو کرتے ہیں کہ قیامت کے قرب کا زمانہ آگیا ہے کہ آج لوگوں کو دین کی بات بھلی نہیں لگتی ۔ آج دین سے لوگ بیزار ہوتے جارہے ہیں

کاش ہم اوروں کے اندر عیب تلاش کرنے کی بجائے اپنے من میں جھانک کر سُراغِ زندگی کو پانے کی کوشش کریں عیب اوروں کے نہ تکیں اپنے عیبوں پر نظر کریں اور اس طرح سوچنے کی بجائے کہ لوگ دین کی بات سننے نہیں آتے اس طرف توجہ کریں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہماری زبان سے سُن کر متنفر ہو رہے ہیں۔ دین کی بات کی نہیں ہماری کشش جاتی رہی ہے کہیں ایسا تو نہیں، قرآن بار بار جھنجھوڑ کر کہہ رہا ہے لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ [۱] وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے۔

دوستو! تصورِ ہدایت بدل گیا سورۃ فاتحہ اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پر زور دے کر یہی بات سمجھانا چاہتی ہے کہ تبلیغ میں اسی وقت اثر آئے گا اور دعوت میں کشش اور جاذبیت اسی وقت پیدا ہو گی جب کہنے والے کا عمل اس کے قول سے بہتر ہو گا قول اور عمل کا ایک جیسا ہونا یہ سننے والوں کا درجہ ہے جن کو تبلیغ کی جا رہی ہے کہ وہ کم سے کم اس حال کو پالیں کہ ان کا قول اور عمل برابر ہو جائیں مگر جو سنانے والے ہیں جو مبلغ ہیں ان کا قول اور عمل برابر نہیں بلکہ عمل قول سے بہتر ہونا چاہیئے ان کے قول کے اندر جو قوت آئے گی جو تاثیر اور برکت آئے گی وہ عمل کے چشمے سے آئے گی۔

باتیں تو ہر کوئی یکساں کرتا ہے حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بات تو وہی کی جو ہم کہتے پھرتے ہیں کہ اللہ کو مانو اللہ کی عبادت کرو اس کی بندگی کرو گناہ کو چھوڑ دو اللہ سے محبت کرو، مگر کیا وجہ کہ الفاظ وہی کلمات وہی، بات وہی مگر ان کی زبان سے نکلے تو دلوں کی کائنات بدل جائے اور ہماری زبان سے نکلے تو رہی سہی کسر بھی نکل جائے۔ کبھی ہم نے سوچا

---

[۱] : سورۃ الصف آیت نمبر ۲

کیا وجہ ہے کہ ان کے دو بول کام کر جائیں اور ہمارے مضمونوں کی تقریریں بے کچھ نہ بنے، وجہ کیا ہے؟ وجہ بس یہی ہے کہ ان کے قول کے اندر جو تاثیر پیدا ہوتی تھی وہ عمل کے چشمے سے آتی تھی اندر عمل کے چشمے ابل رہے ہوتے اور ان چشموں سے برکات فیوضات اور اثرات امڈ کر آ رہے ہوتے پھر جب الفاظ ان کی زبان سے قول بن کر نکلتے تو ایک لفظ دلوں میں اتر جاتا اور ہمارے اندر عمل کا چشمہ تو ہے ہی نہیں عمل کی کھیتی خشک ہو چکی ہے فقط قول ہی قول ہے اب اس قول سے دل کس طرح بدلیں دل تو صاحب دل سے بدلتے ہیں اور حال صاحب حال سے بدلتا ہے ہم جب حال والے ہی نہیں قال سے حال کیسے بدلیں۔

مطلوب اور ایصال مطلوب کا راستہ:

قرآن مجید کی سورۃ فاتحہ میں جو تصور ہدایت ہے بڑا پُر حکمت اور پر موعظت ہے۔ اب اس تصور ہدایت کا آخری اور انتہائی اہم نقطہ یہ ہے کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے جواب میں جب فرمایا صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کہ کونسی راہ سیدھی راہ ہے فرمایا سیدھی راہ وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندے چلتے رہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ سیدھی راہ تو وہ ہے جو قرآن نے بتائی اور جو اللہ کے رسولؐ نے بتائی تو جب سیدھی راہ دراصل قرآن و سنت کی ہے تو پھر بہتر یہ نہ تھا کہ معاذ اللہ یوں کہا جاتا کہ اے اللہ ہمیں سیدھی راہ دکھا اور سیدھی راہ وہ جو تیرے قرآن اور تیرے نبی نے بتائی، صراط اللہ والرسول۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی بتائی ہوئی راہ مگر قرآن نے پہلی بار ہدایت طلب کرنے کا سلیقہ بتایا اور ہدایت کیا ہے؟ اس کا جواب دیا تو جب بات پہلی بار ہو رہی ہو تو اساسی تصورات قائم ہونی چاہیے BASIC CONCEPTS ہونے چاہئیں جب کوئی آدمی بات شروع کرتا ہے تو ابتدائی محرکات

PRELIMINARY FACTORS سے بات شروع کرتا ہے۔ ابتدائی حقائق
PRIMARY REALITIES بیان کرتا ہے جو اساسی تصورات ہیں ان سے بات
کو شروع کرتا ہے پھر آگے چلتے چلتے تفصیلات (DETAILS) اور جزئیات میں
جاتا ہے۔ پھر اس کے RELEVANT ISSUES کو لیتا ہے تو آغاز تو بنیادی
تصور سے ہونا چاہیئے تو آپ قرآن مجید کو پڑھیں سورۃ فاتحہ کی اس آیتِ کریمہ سے
پہلے کہیں ہدایت کا مضمون بیان ہوا؟ تو قرآن میں پہلی بار جہاں ہدایت کے مضمون کا بیان
آیا اور ہدایت کی تعریف بیان کی گئی تو چاہیئے یہ تھا کہ بنیادی بات بیان کی جاتی اور یقیناً
قرآن نے جو بنیادی بات کی وہی بنیادی ہے اور بنیادی بات قرآن و حدیث اور سنتِ
رسولؐ ہے مگر یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کریم نے ہدایت کی سیدھی راہ کی تعریف
کرتے ہوئے ظاہراً نہ قرآن کا نام لیا نہ سنتِ رسولؐ کا حالانکہ حقیقت اب بھی وہی ہے
مگر قرآن نے کیا بیان کیا یہ قابلِ توجہ ہے۔

فرمایا صراط الذین انعمت علیہم، سیدھا راستہ ان بندوں کا ہے جن پر اللہ
نے انعام کیا تو سیدھے راستے کو DEFINE کرتے ہوئے مشخص فرماتے ہوئے
IDENTIFY کرتے ہوئے اللہ نے بعض بندوں کی نشاندہی کر دی۔ بندے کے
ذہن میں یہ سوال ابھر سکتا ہے کہ اے اللہ میں تو سیدھی راہ تجھ سے پوچھ رہا
ہوں اور اس توقع سے پوچھا کہ تو اپنے قرآن کی بات بتائے گا۔ تو اپنے رسولؐ
کی بات کرے گا میں تو اس توقع میں بیٹھا ہوا تھا تو نے اپنی اور اپنے رسولؐ کی
بات کرنے کی بجائے اپنے بندوں کی طرف متوجہ REFER کر دیا؟ بے شک انعام یافتہ
بندوں میں سب سے پہلا درجہ رسولوں کا ہی ہے مگر رسولوں اور نبیوں کا لفظ اگر
بولا جاتا تو فقط نبی مراد ہوتے باقی سب خارج ہو جاتے اور جب انعام یافتہ بندوں
کی بات کی تو نبی تو سب سے پہلے انعام یافتہ ہیں، تو وہ شامل ہوئے تو
ان کے علاوہ بھی کچھ شامل ہو گئے۔

— اب دیکھنا یہ ہے کہ انعام یافتہ بندوں کی راہ جو بیان کی وہ کیسی ہوتی ہے اور اس کی ضرورت کیوں پڑی ؟ ضرورت اس لیے پڑی کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے ، يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ۝ اللہ پاک نے فرمایا میں اس قرآن میں تمثیلات بیان کرتا ہوں اور بڑے سبق دیتا ہوں مگر اسی قرآن کے بیان اور تمثیل سے کوئی گمراہ ہو رہے ہیں کئی ہدایت پا رہے ہیں اور خاص نکتہ یہ کہ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ۝ اس ارشاد میں حصر ہے کہ بعض گمراہی پر جا رہے ہیں اور حوالہ اسی قرآن کا دیتے ہیں اور بعض ہدایت پر جا رہے ہیں حوالہ وہ بھی اسی قرآن کا دیتے ہیں مگر قرآن نے فرق بیان کیا DIFFERENTIATE کیا کہ یاد رکھو ! گمراہی پانے والے حقیقت میں وہی لوگ ہیں جن کے اندر فسق ہے قرآن معاذ اللہ کسی کو گمراہ نہیں کر رہا اور نہ کر سکتا ہے قرآن تو سراسر ہدایت ہے تو گمراہی پر وہی لوگ جا رہے ہیں جن کے اندر پہلے سے فسق ہے اور فسق کیا ہے ؟ غلاظت کے ڈھیر ہیں ۔

مزید وضاحت: جیسے صاف ستھری زمین کا ایک ٹکڑا ہو اس کے اندر اچھے بیج ہوں اور مالک اس کی صحیح نگہداشت کرتا ہو اس کی صفائی اور گوڈی وغیرہ کا خاص خیال رکھتا ہو اور اس کے برابر میں ہی زمین کا ایک دوسرا ٹکڑا ہو جہاں غلاظت کے ڈھیر لگے ہوں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا ہو اور کوئی اس کی صفائی کرنے والا نہ ہو تو اگرچہ دونوں ایک ہی زمین کے ٹکڑے ہیں اور بارش جب ہو تو اس کے قطرے بیک وقت ادھر بھی گرتے ہیں اسی بارش کے قطرے ادھر بھی گرتے ہیں بارش کا کام تو سیرابی کرنا ہے تو یہ دونوں کے لیے یکساں ہے لیکن اس کے اثر سے زمین کے ایک ٹکڑے سے لوگوں کو اناج اور زندگی مل رہی ہے جب کہ دوسرے ٹکڑے سے بدبو اور تعفن پھیل رہا ہے اور لوگوں کو ہلاکت مل رہی ہے تو بارش کی نعمت دونوں کے لیے

۱ـہ البقرۃ آیت نمبر ۲۶

یکساں ہے مگر ایک ٹکڑا اپنی صفائی اور پاکیزگی کی وجہ سے اس سے فیضیاب ہو رہا ہے جبکہ اسی زمین کا دوسرا ٹکڑا اپنی غلاظت کی وجہ سے اس سے محروم ہے ۔

بس اس تمثیل سے واضح ہو گیا کہ قرآن تو اللہ کے فیضان کی بارش ہے جن کے سینے اور دل پاک ہیں ان پر جب قرآن پاک کے فیوضات کے قطرے گرتے ہیں تو ان میں ایمان کے سبزے اُگتے ہیں اور جن کے دلوں کے اندر فسق ہے غلاظتوں کے ڈھیر ہیں فیضان کے یہی قطرے جب ان پر گرتے ہیں تو بداعتقادی اور گمراہی کا تعفن جنم لیتا ہے وہ سلامتی اور حیات پا جاتے ہیں یہ تباہی اور بربادی پا جاتے ہیں تو جن کے اندر پہلے سے فسق ہے وہ گمراہ ہو جاتے ہیں ۔

اب جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ کہ قرآن مجید نے یہ بتا دیا کہ چونکہ اس سے دونوں اِمکانات ہیں اور اس کی وجہ آپ کے اندر کا اپنا حال ہے اور شیطان نے شروع سے قسم کھا رکھی ہے کہ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ [1] اے اللہ ! تیری عزت کی قسم میں تیرے سارے بندوں کو گمراہ کر کے چھوڑ دوں گا ، معاذ اللہ جس طرح تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے ، معاذ اللہ میں اس کا انتقام لوں گا چیلنج کر رہا ہے اور کیا انتقام لوں گا میں تیرے سارے بندوں کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا اس پر سیاقِ کلام یہ بتاتا ہے کہ اللہ پاک نے اس کی طرف متنفرانہ نگاہوں سے دیکھا ہو گا اور اس سے یہ پوچھا ہو گا کہ تو میرے سارے بندوں کو گمراہ کر سکتا ہے ؟ سو تو کیا کہہ رہا ہے چونکہ اس نے تو دعویٰ کر دیا تھا اور استثنا (EXCEPTION) کی کوئی گنجائش چھوڑی ہی نہیں تھی تو قرآن کی اس عبارت کو پڑھ کر الفاظ سے لگتا یوں ہے کہ اس نے تو بات اجمعین کہہ کر ختم کر دی تھی پھر درمیان میں جو

۱۔ سورۃ ص آیت نمبر ۸۲، ۸۳

اِلّا لگا اور بات آگے چلی تو اس درمیان میں کچھ ہوا ضرور ہے، شیطان نے جو چیلنج کر دیا اور بعد میں پھر گیا اپنی بات سے تو لگتا یوں ہے کہ اس بیان اور پھرنے کے درمیان میں کچھ ہوا ضرور ہے۔ اللہ پاک نے پوچھا ہوگا کہ بے عقل سوچ کیا کہہ رہا ہے کیا تو میرے سارے بندوں کو گمراہ کر سکتا ہے۔

اس استفسار کے جواب میں کہہ رہا ہے نہیں باری تعالیٰ! توبہ کرتا ہوں اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ [1] سوائے تیرے مخلص بندوں کے جو تیرے ہو چکے ہیں ان کے قریب تو پھٹک بھی نہیں سکتا اے اللہ! جو تیرے مخلص ہو چکے ہیں انہیں گمراہ نہیں کر سکتا چونکہ وہ پیکر ہدایت ہو گئے تو جو اللہ کے عبادِ مخلصین ہیں ان کو تاریخ انسانیت کے آغاز سے ہی اللہ پاک کا اپنا ارشادِ مبارک تو بجا شیطان نے بھی علامتِ ہدایت تسلیم کر لیا میں آپ کو یہ حکمت بتا رہا ہوں کہ پھر یہ کہا کہ انعام یافتہ بندوں کے پیچھے جاؤ آغاز تاریخ انسانیت کے وقت سے اللہ پاک کی اس توجہ سے شیطان نے بھی تسلیم کر لیا کہ باری تعالیٰ! جو تیرے برگزیدہ بندے ہیں وہ تو علامت ہدایت ہیں وہ تو پیکر ہدایت ہیں وہ تو چشمہ ہدایت ہیں وہ تو نشانِ ہدایت ہیں وہ تو علم ہدایت ہیں ان کی بارگاہ میں اور ان کی مجلس میں پھٹک نہیں سکتا جو ان سے دور رہیں گے ان پر حملے کرتا رہوں گا۔

چنانچہ اللہ پاک نے فرمایا مجھ سے ہدایت کا سوال کرنے والو سنو! اب اپنے طور پر قرآن اور حدیث کے معانی بیان کر کے کہیں ڈگمگاتے نہ پھرنا تمہیں ایک بات سمجھا دیتا ہوں کہ یہ جو میرے برگزیدہ بندے ہیں انہیں شیطان بھی علامتِ ہدایت اور پیکر ہدایت تسلیم کر چکا ہے اس نے یہ کہا لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔ کہ سیدھی راہ میں جا کر بیٹھوں گا مگر سیدھی راہ میں

---

[1] : صٓ : ۸۳

ٹھیک ہو گئے ہیں جو اللہ کے حبیب اللہ کے ... سے دور ... عبادِ مخلصین سے دور ہوگا تو میرے انعام یافتہ بندے ایسے ہیں کہ شیطان چاہے بھی تو ان کے قریب پھٹک نہیں سکتا اگر تم ضمانت چاہتے ہو کہ بغیر شیطان کے حملے کے احتیاط کے ساتھ منزلِ مقصود کو پا لو تو آؤ میرے ان مخلص بندوں کا دامن پکڑ لو وہ بچ گئے تو تم بھی بچ جاؤ گے ان کے قریب شیطان نہیں جا سکتا اس لیے فرمایا صراط الذین انعمت علیھم جن پر تیرا انعام ہوا انہی کی راہ سیدھی اور سلامتی والی ہے چونکہ وہ تم بے خبروں کو منزل کی خبر بھی دیں گے بھٹکے ہوؤں کو راستے پر بھی لگائیں گے اور راستے پر چلنے والوں کو پکڑ کر منزل تک پہنچا بھی دیں گے تینوں باتیں ہوں گی اور انعام یافتہ بندوں کے پاس جاؤ تو اللہ کی عزت کی قسم تینوں چیزیں ملتی ہیں جن کو منزل کی خبر نہ ہو ان کو منزل کی خبر مل جاتی ہے جنہیں راستے کی تلاش ہو انہیں راستہ مل جاتا ہے اور جو منزل کو پانے کیلئے راستہ پر چل نکلے ہوں انہیں پکڑ کر منزل تک پہنچا بھی دیتے ہیں۔ یہ اللہ کا انعام ہے اور جو انعام سے نوازے جاتے ہیں وہ ان تینوں نشانوں سے نوازے جاتے ہیں۔

<u>اقسامِ ہدایت</u>: (۱) <u>ہدایت فطری</u>: انعام یافتہ بندوں میں ایک اور بڑی خاص چیز ہوتی ہے وہ یہ کہ سب سے پہلی ہدایت جو ہم فطری طور پر حاصل کرتے ہیں ہدایت فطری یا وجدانی ہے مثلاً اگر ایک چڑیا کا بچہ بھی پیدا ہو تو اللہ کی شان ہے کہ پیدا ہوتے ہی جونہی اس کے سامنے دانے پھینک دیں تو وہ چونچ کھول کر اس کی طرف لپکے گا اس کو کس نے بتا دیا کہ یہ تیرے کھانے کا راستہ ہے؟ یہ فطرت ہے کہ یہ راستہ کھانے کا ہے چونچ مار دو یہ دانہ ہے اس کو کھاؤ ایک ہدایت یہ ہے جو فطرتاً مل جاتی ہے اللہ پاک نے فرمایا رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ہَدٰی[1] ۝ ہمارا رب وہ ہے جو ہر شئی کو خلقت و صورت عطا کرتا ہے

[1] سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۵۰۔

اور ساتھ ہی اس کی ضرورت کے مطابق اسے ہدایت بھی عطا کر دیتا ہے اسی طرح جب انسانی بچہ پیدا ہوتا ہے اور اسے بھوک لگتی ہے تو ماں اسے سینے کے قریب لاتی ہے تو وہ پستان کو چوسنے لگ جاتا ہے اس بچے کو کس نے بتا دیا کہ یہ تیری خوراک کا سرچشمہ ہے ! اور اسے سمجھائے بھی کون ؟ اس میں تو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ۔ تو چنانچہ یہ سارے اہتمام اللہ تعالیٰ ماں کے پیٹ کے اندر شروع کر دیتے ہیں ۔

(ب) **ہدایت حسی**: چنانچہ کچھ ہدایت انسان اور حیوان بطریق فطرت بطریق جبلت اور بطریق وجدان حاصل کرتا ہے مگر سارے مقاصد اس سے پورے نہیں ہوتے، پھر اللہ تعالیٰ اس کو آنکھ ناک کان زبان اور ہاتھ عطا کر دیتا ہے تو ہدایت حسی کا دور شروع ہو جاتا ہے پھر وہ چکھتا ہے تو اسے خبر ہونے لگتی ہے کہ یہ کڑوا ہے یہ میٹھا ہے یہ ہدایت بھی مل گئی وہ چھوتا ہے اسے خبر ہونے لگتی ہے کہ یہ سخت ہے یہ نرم ہے یہ ہدایت بھی مل گئی، وہ سونگھتا ہے اسے خبر ہونے لگتی ہے کہ یہ خوشبو ہے یہ بدبو ہے یہ ہدایت بھی مل گئی وہ دیکھتا ہے تو اس کو امتیازات حاصل ہونے لگتے ہیں ۔ یہ ہدایت بھی مل گئی، ہدایت فطری اور ہدایت جبلی ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق حاصل ہے اور ہدایت حسی بھی ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق حاصل ہے ۔

(ج) **ہدایت عقلی**: اب اس کے بعد تیسرے درجے پر انسان کی ایسی ضروریات ہوتی ہیں جو اس کی ہدایت حسی سے بھی پوری نہیں ہوتیں پھر اللہ پاک اس کو عقل عطا کرتا ہے تو ہدایت عقلی کا دور شروع ہو جاتا ہے ہدایت عقلی کے ذریعے وہ مختلف چیزوں کو سوچتا ہے سمجھتا ہے استدلال کرتا ہے غور و فکر کرتا ہے سوچ و بچار کرتا ہے تو اس کو حواس خمسہ باطنی مل جاتے ہیں جس طرح حواس خمسہ ظاہری تھے اس کی سامعہ تھی باصرہ تھی شامہ تھی ذائقہ تھی لامسہ تھی اس طرح اسے حواس خمسہ باطنی

[illegible] عقل [illegible] حسِ مشترک ہے [illegible] متوہمہ ہے متخیلہ ہے حافظہ ہے اور متصرفہ ہے یہ پانچ حواس اس کو عقل کے درجے میں بھی مل جاتے ہیں ان سے وہ سوچ بچار کر کے بہت سے علوم کو سمجھنے لگ جاتا ہے اِس سے اس کے بہت سے مسائل حل ہونے لگتے ہیں لیکن بہت سی حقیقتیں اس سے بھی حل نہیں ہوتیں ۔

(د) **ہدایت قلبی**: جہاں عقل کی پرواز ختم ہو جائے وہاں اللہ پاک نے انسان کے اندر ایک اور ذریعہ پیدا کر رکھا ہے فطرت و جبلت، حواس اور پھر عقل جب یہ تینوں جواب دے جائیں تو ایک چوتھا ذریعہ ہے اس کو کہتے ہیں ذوق اور وہ ذریعہ دل سے پھوٹتا ہے، پہلے پانچ ذرائع ظاہری جسم سے متعلق تھے ناک کان آنکھ زبان اور ہاتھ پھر پانچ ذرائع عقل سے متعلق تھے مشترک، متوہمہ، متخیلہ، حافظہ اور متصرفہ جو دل سے چشمہ پھوٹتا ہے اس کے بھی پانچ ذرائع بن جاتے ہیں اور ان کو لطائف خمسہ کا نام دیا جاتا ہے وہ ہیں لطیفہ قلب، لطیفہ روح، لطیفہ سر، لطیفہ خفی اور لطیفہ اخفیٰ ۔

جس طرح ظاہری حواس مل جائیں تو بہت سی چیزیں معلوم ہو جاتی ہیں اور جہاں حواس کام نہ آئیں وہاں عقل کام آتی ہے عقل کے حواس کھل جائیں تو بہت سی ایسی چیزیں سمجھ میں آنے لگتی ہیں جو صرف دیکھنے سے معلوم نہ ہوتی تھیں، دیکھنے سننے چکھنے وغیرہ سے جو معلومات حاصل ہوں انہیں انسان محسوسات کی شکل میں عقل کو منتقل کرتا ہے عقل ان کو مربوط منظم اور مضبوط کرتی ہے تو جب یہ PERCEPTION ORGANISE ہوتا ہے تو KNOWLEDGE بن جاتا ہے یہ ادراک منظم ہوتا ہے تو علم میں بدل جاتا ہے اور عقل سے پیدا ہونے والا علم محدود ہے وہ پرواز کرتا کرتا چاند پر بھی پہنچ جاتا ہے مریخ پر بھی پہنچ جاتا ہے۔ اجرام فلکی ہواؤں، فضاؤں اور خلا کو بھی عبور کر جاتا ہے مگر اس کی ایک حد ہے ایک مقام وہ آتا ہے جہاں عقل کی ساری پرواز اپنی جگہ بجا مگر رک جاتی ہے تو اللہ پاک

اس کو تیسرا چشمہ عطا کرتے ہیں، چشمۂ قلب۔ حواس کے سوتے جانوروں کو بھی میسر تھے مگر عقل کے سوتے صرف انسان کو لیکن انسان میں مومن و کافر ہر ایک کو میسر تھے مگر دل کے سوتے فقط مومنوں میں سے اہل کمال کو میسر آتے ہیں جن پر انعام ہو جاتا ہے ان پر دل کا چشمہ کھل جاتا ہے ان کے دل کے لطائف جاری ہو جاتے ہیں دل کی آنکھ کھل جاتی ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ دل کی آنکھ کا تو مسئلہ نیا سنا آج تک تو سر کی آنکھ ہی سنتے تھے دل کا کام تو خون کو پمپ کرنا ہے تو اس کی آنکھ کہاں سے آگئی تو میں آپ کو حدیث پاک سے اس کی نص بتاتا ہوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تنام عینی ولا ینام قلبی[1] میری آنکھیں سوتی ہیں مگر دل نہیں سوتا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ دل فقط یہ نہیں جو گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اور جس کا کام خون کو پمپ کرنا ہے بلکہ دل میں بھی ایک دل ہے اور یہ دل نظر نہیں آتا مگر کسی کا سو جاتا ہے کسی کا بیدار رہتا ہے۔

<u>حصولِ ہدایت کا راستہ اور صوفیاء</u>: وہ دل اللہ پاک کے ذکر کا مرکز ہے اللہ جل شانہٗ نے فرمایا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا[2] ان لوگوں کے پیچھے مت چل جن کے دل ہمارے ذکر سے غافل ہو چکے ہیں۔ اب اس کو سورۃ فاتحہ کی اس آیت کے ساتھ ملایئے اُدھر فرمایا جن پر ہمارا انعام ہوا ان کے پیچھے چلو ادھر فرمایا جن کے دل ہمارے ذکر سے غافل ہو چکے ہیں ان کے پیچھے مت چلو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انعام والے وہ ہیں جن کے دل غافل نہیں جن کے دل میں اللہ کے ذکر کے چشمے پھوٹ پڑے ہیں جن کے دل کی آنکھیں کھل گئی ہیں اور جن کے دل بیدار ہو گئے ہیں۔ وہ انعام یافتہ بندے ہیں اور فرمایا کہ ان بندوں کا راستہ سچائی کا راستہ ہے ہدایت کا راستہ ہے ان کو پھر اللہ

---

[1]: بخاری و مسلم

[2]: سورۃ الکہف آیت ۲۸۔

ذوق کی دولت عطا کر دیتے ہیں ۔

امام محمد بن محمد الغزالیؒ فرماتے ہیں کہ جب عقل کی پرواز ختم ہو جائے تو

وراء العقل طور آخر تفتح فیہ عین اخری یبصر بہا الغیب وما سیکون فی المستقبل و امور آخر العقل معزول بہا [1]

عقل کے بعد ایک اور راستہ ہے جس میں دوسری (باطنی) آنکھ کھل جاتی ہے اس کے ذریعے غیب کا ادراک ہونے لگتا ہے علاوہ ازیں مستقبل میں ظہور پذیر ہونیوالے واقعات اور دیگر ایسے امور بھی جنہیں جاننے سے عقل قاصر ہوتی ہے نظر آنے لگتے ہیں ۔

یہی وجدان وہ قوتِ باطنی ہے جس کے بالفعل زندہ ہو جانے سے آئینۂ قلب روشن ہو جاتا ہے یعنی دل کی آنکھ کھل جاتی ہے جس کے ذریعے حقائقِ کائنات آشکار ہوتے ہیں ۔

امام غزالیؒ اسی استعداد کو ذوق سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

فاما الذوق فھو کالمشاھدۃ والاخذ بالید ولا یوجد الا فی طریق الصوفیۃ [2]

پس ذوق مشاہدہ کی مانند اور ہاتھ سے کسی شئے کو پکڑنے کی طرح ہے ، مگر یہ صلاحیت صرف طریقِ صوفیاء سے حاصل ہو سکتی ہے ۔

کیونکہ اس کا تحقق اور ارتقاء حواس اور عقل سے نہیں ذوق اور محبت سے ہوتا ہے ۔

علم و فن کا امام ہونے کے باوجود حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حقیقت کے

---

[1] : المنقذ من الضلال

[2] ایضاً

علم کی تلاش تھی فرماتے ہیں کہ مجھے اس درجہ یقینی علم کی تلاش تھی جس طرح کہ دو جمع دو
چار ہوتے ہیں وہ اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمہارے سامنے
آئے اور جو کرشمہ آپ چاہیں وہ کر کے دکھا دے پانی رکھا ہو وہ کہے دودھ ہو
جا آپ کی آنکھوں کے سامنے وہ دودھ ہو جائے لاٹھی کو سانپ بنا دے اور یہ
سب کچھ دکھا دینے کے بعد وہ کہے کہ دو جمع دو چار نہیں پانچ ہوتے ہیں اور تم مان لو تو امام
غزالیؒ پوچھتے ہیں کیا آپ یہ بات مان لیں گے ؟ ہرگز نہیں، کہیں گے وہ کرشمے اپنی جگہ
مگر یہ علم یقینی درجے کا ہے اس کو نہیں بدلا جا سکتا فرمایا مجھے حق کے ایسے علم کی تلاش تھی
کہ مشرق سے مغرب ساری دنیا بدل جائے اس میں تبدیلی نہ آ سکے۔

وہ علم یقین کیا ہے ؟ اس کے بھی تین درجے ہیں علم الیقین، عین الیقین اور
حق الیقین فرماتے ہیں، میں حق الیقین کا درجہ چاہتا تھا جیسے مٹکے میں دودھ رکھا
ہو کوئی آپ سے کہے اس میں دودھ ہے اور آپ دیکھے بغیر سن کر مان لیں تو یہ
علم الیقین ہو گا یعنی ایک حقیقت ہے کسی کے بتلانے سے آپ کو اس کا علم حاصل ہو گیا
فرماتے ہیں پھر اس سے اوپر کا درجہ یہ ہے کہ آپ اس کا ڈھکنا ہٹا کر اپنی آنکھوں
سے دیکھ لیں اس سے علم میں مزید تقویت آئے گی تو یہ عین الیقین ہو گیا اور فرماتے
ہیں کہ اس میں بھی شک کا امکان ہے کہ سفید رنگ کا ہے کیا خبر دودھ ہے یا
لسی ہے یا کوئی سفید رنگ گھولا ہوا ہے اب اگر کوئی شخص اس میں سے ایک
گلاس بھر کر پی لے تو ساری دنیا چاہے کہتی پھرے کہ یہ دودھ نہیں، دودھ نہیں
دودھ نہیں وہ کہے گا کہ تمہاری بات کیسے مانوں میں تو پی کر دیکھ چکا ہوں۔

تو خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ ہم میں کچھ وہ ہیں جو سن کر مانتے ہیں یہ ایمان کی بنیاد ضرور
ہے مگر اسے ہلایا جا سکتا ہے کچھ وہ ہیں جو دیکھ چکے ہیں وہ ہمارے اعتقاد سے
بہت زیادہ مضبوط ہیں ہم ان کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے مگر کچھ وہ ہیں جو پی
چکے ہیں۔ کچھ میخانہ بار میں پہنچ کر پینے والوں کو دیکھ چکے کہ مستی کس طرح آتی ہے

یہ دیکھنے والے تھے ارے ان کا نشہ نہیں اتر رہا ہے اور جو خود پی کر آئے ہیں ان کا حال کیا ہوگا۔ انہیں لاکھ کہتے پھرو کہ شراب عشق سے نشہ نہیں آتا وہ کہتے ہیں کہ ہمارا نشہ تو آج تک نہیں اترا تمہاری مانیں یا اس کی مانیں ہم تو پی چکے ہیں اب پینے والوں کو کون متشوش کر سکتا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ میں تو وہ یقین چاہتا تھا جو پی کر آتا ہے

اللہ پاک کی بارگاہ سے علم کا یہ درجہ پانے کے لیے امام غزالیؒ، نظامیہ یونیورسٹی بغداد کے وائس چانسلر تھے اُس وقت پوری دنیا میں ان کے پائے کا عالم نہ تھا، کوئی محقق کوئی سکالر نہ تھا، مشرق سے مغرب تک دنیا علم کے باب میں سند لینے کے لیے غزالیؒ کے پاس آتی اور آج بھی دنیا انہیں حجۃ الاسلام کہتی ہے مگر وہ حجۃ الاسلام فرماتے ہیں کہ مجھے یقین نہ تھا تشویش تھی، میں گھر سے نکل پڑا کہ دنیا میں دھوم ہو چکی ہوں اور دنیا غزالی غزالی کہتی پھرے مگر من میں یقین نہ ہو تو سند کا کیا فائدہ، فلسفیوں کے پاس گیا اور پوچھا کہ تمہارے پاس حقیقت کا یقین کے درجے کا علم ہے؟ اب اگر پوچھنے والا کوئی اور ہوتا تو وہ ڈینگے مارتے کہ ہمارا یقین ہی یقین ہے مگر انہوں نے دیکھا کہ چونکہ سوال غزالی کر رہا ہے کوئی معمولی آدمی نہیں اس لیے سچ بولنا پڑے گا۔

اگر آپ کسی نیم حکیم کے پاس چلے جائیں اور پوچھیں کہ آپ کے پاس فلاں مرض کی دوا ہے تو وہ کہے گا، ہاں بھئی! کوئی مرض ایسی نہیں جس کی دوا اس مطلب میں موجود نہ ہو اور اگر اُس کے پاس اس سے بڑا حکیم چلا جائے اور پوچھے کہ فلاں شئے کا کوئی مجرب نسخہ ہے تو وہ ایسی بات نہیں کر سکتا جو آپ سے کر رہا تھا اب اس کا بیان بدل جائے گا۔ تو ان فلسفیوں کے پاس غزالی چلا گیا انہوں نے کہا ہم تو یقین سے صرف بحث کرنے والے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ بحثیں کرنے والے بحثوں میں ہی رہ جاتے ہیں پینے والے اور ہوتے ہیں

اور جو پی لیتے ہیں وہ جھگڑتے نہیں یہ جلسے سر پھٹول ہو رہے ہیں اور جھگڑے مناظرے اور فتنوں بازیاں ہو رہی ہیں اور ایک دوسرے کو کافر و مشرک بنا کر دین سے نکالا جا رہا ہے اور ایک دوسرے کی مسجدوں پر قبضے ہو رہے ہیں یہ سارا فساد فقط اس لیے ہے کہ پیا نہیں۔

پیا کے بھی دو معنی ہیں ایک تو پیا سے مراد محبوب ہے تو "پیا نہیں" یعنی محبوب سے تعلق نہیں جوڑا اس لیے کہ اگر تعلق جڑ جائے تو پھر ادھر اُدھر کی فرصت ہی نہیں رہتی اور دوسرا یہ کہ پیا نہیں ہے اگر پی لیں تو پھر نشہ ہی اتنا چڑھ جاتا ہے کہ پھر باقی باتوں کا ہوش ہی نہیں رہتا۔

مرزباں را مستری چوں گوش نیست — محرم ایں ہوش جز بے ہوش نیست

یہ ایسا ہوش ہے کہ جب تک ہر بات سے بے ہوش نہ ہو لیا جائے، یہ ہوش آتا ہی نہیں تو ہماری دشواری یہ ہے کہ ہم نے پیا نہیں۔

امام غزالیؒ وہاں سے چل پڑے منطقیوں کے پاس گئے پوچھا تمہارے پاس یقین کا علم ہے وہ بھی سمجھ گئے کہنے لگے ہم تو بس استدلال کرتے ہیں فقط اتنا کہنا جانتے ہیں کہ العالم متغیر و کل متغیر حادث فالعالم حادث، ہم تو بس صغری کبری ہی ملاتے رہتے ہیں۔ زید یطوف باللیل و کل من یطوف باللیل فھو سارق فا زید سارق منطق جس پر ہمارے دلائل کا انحصار ہے زندگی ساری منطق پڑھتے پڑھتے گزر گئی مگر قرآن نہ آیا حضورؐ کی حدیث کی سمجھ نہ آئی اور دین کی معرفت نہ ملی۔ اس کے دلائل یہ ہیں کہ زید راتے کو گلیوں کا چکر لگاتا ہے اور جو رات کو گلیوں کا چکر لگائے وہ چور ہوتا ہے۔ خواہ وہ غریب سپاہی کیوں نہ ہو اور چوروں کو پکڑنے والا ہی کیوں نہ ہو لیکن منطقیوں نے کہہ دیا کہ جو بھی رات کو چکر لگائے وہ چور ہوتا ہے، پس زید چور ہے، یہ دلائل ہیں جو ہم پڑھتے ہیں اور پڑھاتے ہیں۔

انہوں نے کہا ہم ادب والی مرتبہ عقل کے برابر مانتے رہتے ہیں ہمارے پاس حقیقت کا علم کہاں سے آگیا بحثیں ہیں بات نہیں ہے چونکہ بحثوں سے بات نہیں بنتی امام غزالی رح باطنین کے پاس گئے دروازہ کھٹکھٹایا مگر جواب نفی میں ملا فرماتے ہیں میں گھومتا گھومتا آخر صوفیا کے دروازے پر آپہنچا، صراط الذین انعمت علیھم، انعام پانے والوں کے پاس آپہنچا، ان سے پوچھا کہ میں حقیقت کا یقینی علم چاہتا ہوں کیا تمہارے پاس ہے؟ انہوں نے کہا اندر آجا فرمایا یہاں تو ہے ہی صرف یہی یہاں تو یقین ہی یقین ہے شک والی بات ہی نہیں یہاں تو آغاز ہی پینے پلانے سے ہوتا ہے، تھوڑی سی پلادی۔

امام غزالی رح نے جب اس در کو پہچان لیا جہاں سے یقین میسر آتا ہے تو پھر سے طالب علم بن گئے دو سال مسلسل تصوف کی کتابیں پڑھتے رہے، صوفیاء نے فرمایا غزالی اب تک منطق پڑھتے رہے ہو اب علم حاصل کرو اب تک ضَرَبَ یَضْرِبُ پڑھی ہے یہاں ایک اور نظام ہے اب اس کو پڑھو، دو سال کی پڑھائی کے بعد وہ نقش مٹائے نئے نقش ثبت ہوئے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی: شیخ نجیب الدین سہروردی[1] اپنے بھتیجے شیخ شہاب الدین سہروردی سلسلہ سہروردیہ کے بانی کو لے کر سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے پاس آئے اور عرض کیا حضرت! میرا بیٹا علوم دینیہ معقولات، منقولات سے فارغ ہوچکا ہے آپ کی صحبت میں لایا ہوں ذرا اس کا امتحان لیں آپ نے منطق اور علم الکلام کے دو چار سوال کیے انہوں نے فوراً جواب دے دیئے آپ مسکرائے اور فرمایا اس کو تو سب کچھ آتا ہے میرے پاس کیوں لائے ہو؟ عرض کیا حضرت! باقی تو سب کچھ پڑھ چکا اب اسے تھوڑی سی معرفت بھی عطا فرمادیجیئے، آپ نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی جو کہ دس بارہ سال کے بچے تھے ان کے سینے پر ہاتھ رکھا اور پھر اٹھالیا۔ اس کے بعد ایک اور

---

[1] : بہجۃ الاسرار صفحہ نمبر ۳۲، ۳۳

سوال کیا تو وہ سب کچھ بھول چکے تھے فرمایا جب تک وہ عقل کام نہ کرے اللہ کا نقش قائم نہیں ہو سکتا تھا، پھر توجہ فرمائی اور معرفت کے چشمے عطا کر دیئے اور وہ علوم بھی بحال ہو گئے فرمایا ان سے اتنا فائدہ اٹھاؤ جتنی ضرورت ہے اور مقصود کو پاؤ۔

امام غزالی کی سرگزشت: امام غزالیؒ نے دو سال علم تصوف حاصل کیا یہ ساری تمہید تھی اصل تصوف کا آغاز تو عمل سے ہوتا تھا۔ شیخ سے بیعت کی عمل میں داخل ہوئے اور جب ساری حقیقتوں کو پالیا تو راز اگل دیئے فرمایا کہ جو کچھ میں نے پایا جس طرح پایا یہ تجربہ دوسرے لوگوں تک بھی پہنچے تاکہ ہر کسی کی رہنمائی ہو، المنقذ من الضلال کے نام سے اپنی سرگزشت لکھی اس میں فرماتے ہیں۔

انی علمت یقینا أن الصوفیة هم السالکون لطریق الله تعالی خاصة وان سیرهم احسن السیر وطریقهم اصوب الطرق واخلاقهم ازکی الاخلاق لو جمع عقل العقلاء وحکمة الحکماء وعلم الواقفین علی اسرار الشرع من العلماء لیغیروا شیئا من سیرهم واخلاقهم ویبدلوه بما هو خیر منه لم یجدوا الیه سبیلا وان جمیع حرکاتهم وسکناتهم فی ظاهرهم وباطنهم مقتبسة من نور مشکاة النبوة ولیس وراء نور النبوة علی وجه الارض نور یستضاء به۔ [1]

میں نے یقین کے ساتھ جان لیا کہ اللہ کی راہ پر چلنے والے یقیناً صرف اور صرف

---

[1] : المنقذ من الضلال۔

صوفیاء ہیں اور ان کی سیرت سب سیرتوں سے خوبصورت ہے ان کا راستہ سب راستوں سے بہتر ہے ان کا اخلاق سب اخلاقوں سے اعلیٰ ہے اگر سارے عقل والوں کی عقل اور حکمت والوں کی حکمت و دانائی اور علم شریعت رکھنے والوں کے علوم جمع کر لیئے جائیں اور یہ خیال کر لیا جائے کہ ان سب کو جمع کر کے صوفیاء سے بہتر شئی پیدا کر لی جائے گی یا معمولی سا جزو بہتر پیدا کر لیا جائے گا تو ناممکن ہے ناممکن ہے ناممکن ہے اس لیئے کہ علم والوں نے علم کتابوں سے پایا عقل والوں نے علم عقل وخرد کے سوتے سے پایا حکمت و دانائی رکھنے والوں نے علم اپنے فکر و تأمل سے پایا مگر صوفیا جس راستے سے علم پاتے ہیں وہ نہ تو اس کا راستہ ہے نہ عقل وخرد کا، نہ تعقل و تأمل کا راستہ ہے نہ تدبر و تفکر کا نہ فہم و فراست کا راستہ ہے اور نہ ادراک و بصیرت کا یہ سارے راستوں سے آگے گزر جاتے ہیں ان کے پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں ان کے دلوں کا تعلق براہ راست سینۂ مصطفیٰ ؐ سے قائم ہو جاتا ہے ادھر سے چشمے رواں ہوتے ہیں یہ سیراب ہوتے چلے جاتے ہیں ان کے سارے حجابات مرتفع ہو جاتے ہیں وہ سارے راستے جن میں بھٹک جانے کا احتمال تھا جن میں شیطان کے حملوں کا احتمال تھا جن میں بہکاووں کا احتمال تھا جن میں تشکیک تھی جن میں سوفسطائیت تھی جن میں لاادریت تھی جن میں تذلل تھا جن میں گمراہیوں کے امکانات تھے وہ سارے دروازے ان پر بند کر دیئے گئے ہیں انہیں ایک ایسے راستے پر چلایا گیا ہے جس کا تعلق براہ راست مشکوٰۃ صدرِ مصطفےٰ ؐ کے ساتھ ہے آقائے دوجہاں کے قلبِ اطہر اور سینۂ مصطفیٰ ؐ میں جو چراغ نورِ ہدایت جل رہا ہے اور وہ جو ضو فشانیاں کر رہا ہے ان صوفیاء کے سینوں کی ڈوریاں اس چراغِ سینۂ مصطفیٰ سے جڑ جاتی ہیں چراغ ادھر جلتا ہے اجالا ادھر ہوتا ہے اس چشمے سے روشنی پھوٹتی ہے یہاں اس کا

[illegible] ہے [illegible] ان کے پیچھے چلنے والے [illegible]
تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اس لیے فرمایا کہ ان انعام یافتہ بندوں کے لڑ لگ جاؤ ان کے پیچھے جایا کرو سہ

گرد مستاں گرد، گر مے کم رسد بوئے رسد

بوئے او گر کم رسد، رویت ایشاں بس است

علامہ بحر العلوم: دورِ اواخر کے بہت بڑے فاضل، محقق، مفکر، محدث، مدرس، فقیہ اور امام علامہ انہوں نے مسلم الثبوت کی جو شرح لکھی ہے فواتح الرحموت اس میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے اعتراض کیا کہ جو حدیثیں اور روایتیں تم بیان کرتے ہو وہ کتابوں میں تو ملتی نہیں ہیں، تو تمہارے پاس اس بات کی کیا سند ہے کہ جو کچھ تم بیان کرتے ہو واقعی حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے، آپ ہنس دیئے فرمایا جو روایتیں حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں اور تم بیان کرتے ہو ان کے راوی مر گئے بھئی امام بخاری نے کہا میں نے فلاں سے سنا وہ فلاں بھی وفات پا چکے انہوں نے فلاں سے سنا وہ بھی وفات پا چکے انہوں نے فلاں سے سنا وہ بھی وفات پا چکے تو تمہارا پورا سلسلہ اور تمہاری سند میں جتنے لوگ بتانے والے آتے ہیں وہ سب دنیا سے رحلت کر چکے ہیں، تم ان سے سن کر مان لیتے ہو اور ہم جس سے سنتے ہیں وہ حی لاموت ہے وہ زندہ و تابندہ ہے تو ہمارے پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں ہم براہ راست پوچھ کر بات کرتے ہیں۔

تو رب کی بتائی ہوئی بات سے بڑی بھی کوئی سند ہے اور اس کے بعد علامہ بحر العلوم فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کا یہ الہام جو کتابوں میں بے شک نہ ہو ھُوَ حقٌ، حقٌ، حقٌ، تین بار فرماتے ہیں یہ حق ہے حق ہے حق ہے اس لیے کہ اس کا راستہ ہی جدا ہے۔

شیخ روزبہان بقلی رحمۃ اللہ علیہ: صاحب عرائس البیان کی خدمت میں بڑے بڑے

محدث آتے [illegible] کتاب [illegible] پڑھتے [illegible] ایک محدث ان کی خدمت میں بیٹھا پڑھ رہا تھا اور آپ کا معمول تھا کہ خاموشی سے مراقبے میں بیٹھے رہتے ، وہ کتاب پڑھتا جاتا احادیث کی روائیتیں بیان کرتا جاتا روی عن فلان ، روی عن فلان ، رواہ فلان بیان کرتا چلا جاتا آپ خاموشی سے سنتے چلے جاتے اور جس پر سر ہلا دیتے اس پر وہ چونک جاتا کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے اس میں کوئی کمزوری ہے سقم ہے اگر خاموش بیٹھے رہتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ تصدیق کرتے جا رہے ہیں ۔ ایک روایت انہوں نے پڑھی آپ نے سر ہلایا فرمایا یہ حضور کا ارشاد نہیں ہے انہوں نے حوالے دیئے کہ فلاں نے کہا درست ہے فلاں نے کہا درست ہے فلاں نے کہا درست ہے جب آپ سارے حوالے سن چکے تو آپ نے اس کو بازو سے پکڑ لیا فرمایا ۔

- - شف ہذا محمد رسول اللہ وھو یقول ما قلت ھذا ، وہ دیکھو آقا سامنے کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ یہ میرا قول نہیں ہے تم فلاں فلاں کی بات کرتے ہو میں ان کی مانوں یا خود صاحب ارشاد کی ۔

خلاصہ کلام : اس لیئے اللہ پاک نے ان کی طرف متوجہ فرمایا جن کے دل کی کھڑکیاں کھل چکی ہیں اور چشمے بحال ہو چکے ہیں جنہیں چراغ سینۂ مصطفوی کا نور براہ راست مل رہا ہے وہ تشکیک کے مقام سے آگے گزر جاتے ہیں وہ شریعت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں کیونکہ اس کو پورا کیے بغیر وہ درجہ نہیں ملتا مگر چونکہ ان کا تسلسل اس انداز کے ساتھ قائم ہے کہ اس میں رکاوٹ کوئی نہیں ہے انقطاع نہیں ہے اسیلئے اللہ پاک نے فرمایا صراط الذین انعمت علیھم کہ ان انعام یافتہ بندوں کے پیچھے ہو لو جدھر یہ جائیں گے وہی راستہ حق ہوگا اور اس میں گمراہی اور بھٹکاوے کے امکانات ختم ہو جائیں گے ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے حال پر لطف و کرم فرمائے ہمیں صراط مستقیم اور ہدایت کا وہ تصور عملاً عطا فرمائے جس کو قرآن مجید نے بیان فرمایا ۔

وما علینا الا البلاغ